مسلمانوں کے علمی کارنامے

(از مولوی محمد سلیمان صاحب صدیقی بہنیاوی متعلم دار الحدیث رحمانیہ)

مسلمانوں کے علمی ذوق ولوے شمع علم پر پروانہ وار فریفتہ وشیدائی ہونے کے واقعات شگوفہ علوم کی آبیاری کرنے کے حالات چمنستان علوم وفنون کی باغبانی کرنے کی کیفیات اور ان کے معمار علوم وفنون ودشت صنعت وحرفت واکتسابی تگ ودو اور ایجادات واختراعات سے تاریخوں کے اوراق رنگین ومزین ہیں جو شخص تعصب کی پٹی اور عصبیت کی عینک اپنی آنکھوں سے ہٹاکر قلب سلیم فکر مستقیم تدبر تام ومنصف مزاجی اور بنظر غائر وتعمق قرطاس تواریخ پر نظر ڈالے گا اور دست عدل واقساط سے اوراق گردانی کرے گا تو اس پر مسلمانوں کی علمی خدمات وکارنامے اور علمی عروج وترقیاں روز روشن کی طرح ظاہر وباہر ہو جائیں گی آج جو یورپ کا آفتاب علم آسمان ترقی کے نصف النہار پر پہنچا ہوا ہے اور اپنی تیز وروشن کرنوں سے کواکب عالم کی روشنیوں کو ماند وپھیکا کر دیا ہے وہ کس کے شرمندہ احسان اور کس خرمن کے خوشہ چین اور کون سے باغ کے گل چین ہیں ہاں وہ مسلمان ہی تھے جن کو یورپ وایشیا وغیرہ کے استاد ہونے کا فخر حاصل تھا جن کی شاگردی وکاسہ لیسی کی بدولت آج یورپ کے سر پر ترقی علمی کا سہرا نظر آرہا ہے ؎

لئے علم وفن اُن سے نصرانیوں نے | کیا کسب اخلاق روحانیوں نے
ادب اُن سے سیکھا صفاہانیوں نے | کہا بڑھ کے لبیک یزدانیوں نے
ہر اک دل سے رشتہ جہالت کا توڑا | کوئی گھر نہ دنیا میں تاریک چھوڑا

یہاں پر میں بمصداق الفضل ما شہدت بہ الاعداء دو شہادتیں ایسے شاہدوں کی جو آغوش اسلام سے کوسوں دور ہیں پیش کرتا ہوں جس سے یہ حقیقت نمایاں ہو جائے گی کہ یورپ کے معلم اول ہونے کا شرف صرف مسلمان ہی کو حاصل ہے۔ جرمن مستشرق عمانوئیل ڈیوش لکھتا ہے کہ عربوں نے بنی نوع انسان کو روشنی دکھلائی جبکہ چاروں طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی ان عربوں نے یونان کی عقل ودانش کو زندہ کیا اور مغرب ومشرق کو فلسفہ[1] طب اور علم ہیئت کی تعلیم دی اور موجودہ سائنس کے جنم لینے میں انھوں نے حصہ لیا ہمیشہ اُس روز کا ماتم کریں گے جس دن غرناطہ[2] عربوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ سار گولیتھ انگریزی ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ تحقیقات سے یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ یورپ میں علم کے دور جدید سے کئی صدیوں پیشتر یورپ کے علما فلسفہ ریاضی۔ ہیئت اور دیگر علوم کے متعلق جو کچھ جانتے تھے وہ تقریباً سب کا سب اصلی عربی کتابوں کے لاطینی ترجموں کے ذریعہ سے انھیں پہنچا تھا قرآن ہی نے شروع میں کنایۃً ان علوم کے حاصل کرنیکا ذوق وشوق عربوں میں پیدا کیا تھا۔

الغرض کون سے بیالی علوم ومعمورات فنون وزاویۂ اکتسابات ہیں جو مسلمانوں کے جولانگاہ نہ رہے ہوں بلکہ مسلمانوں میں

---

[1] انشاء اللہ دوسری اشاعت میں ان علوم کو زیر تحریر لاؤنگا ناظرین کرام منتظر رہیں۔ [2] اسلامی سلطنت کے زمانہ میں مرکز علمی تھا۔

کروڑوں ہستیاں ایسی گذری ہیں جو قرآن حدیث فقہ تفسیر معانی بیان نحو صرف ادب سیر و تاریخ منطق فلسفہ ریاضی ہیئت ہندسہ طب کیمیا علم حیوانات نباتات جمادات شعر و شاعری علم عروض و قوافی علم الانساب تقریر و خطابت تحریر و کتابت میں یکتائے روزگار اور اپنے وقت کے مانے ہوئے استاد تھے۔ میں اولاً صدر اول کے مسلمانوں (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے علمی کارنامے کو علی سبیل الاختصار پیش کرتا ہوا پھر ان کے مابعد کے مسلمانوں کی علمی شان کی حقیقت کو آشکارا کرونگا جو ناظرین کرام کے لئے دلچسپی سے خالی و درس عبرت دینے سے عاری اور فاعتبروا یا اولی الابصار کی سچی تصویر پیش کرنے سے قاصر نہ ہوگا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شمع علم پر اسقدر شیدائی و فریفتہ تھے کہ قرآن مجید کی تعلیم اور اس کے حقائق و معارف کو معلوم کرنے کیلئے اپنے وطن مالوف کو چھوڑکر اور اپنے عیش و آرام کو خیرباد کہکر اپنی زندگی کو عسرت و تنگی میں مبتلا کرکے اور گوناگوں مصائب و آلام کا مقابلہ نہایت ہی صبر و شکیب کے ساتھ کرتے ہوئے چشمۂ نبوت سے گوہر مقصود حاصل کرتے تھے۔ یہی عاشقان علم ہیں کہ جن کو اصحاب صفہ کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے ان تشنگان علم کی ناداری و مفلسی کا یہ عالم تھا کہ بعض ان میں سے دن کو شیریں پانی بھر لاتے اور جنگل سے لکڑیاں چن لاتے اور ان کو بیچ کر جو آمدنی ہوتی اس کو وجہ معاش میں صرف کرتے اور بعض شدت بھوک سے نیم مردہ ہو جاتے مگر باوجود ان تکالیف و شدائد کے شمع علم پر ایسے ہی مرمٹنے کے لئے تیار رہتے جیسا کہ کوئی شخص فارغ البالی کی حالت میں ہو سکتا ہے جب یہ لوگ زیور تعلیم و تربیت سے مزین ہو جاتے تو ان کو قرا کا خطاب دیا جاتا اور اس لقب کے ساتھ پکارے جاتے تھے اور ان ہی لوگوں کو ہر جگہ کے مسلمانوں کو تعلیم دینے کے لئے معلم و مدرس بناکر بھیجا جاتا تھا غرضکہ مسجد نبوی ایک خاصہ یونیورسٹی کی حیثیت رکھتی تھی جہاں ہر وقت چشمۂ علم و معرفت جاری رہتا تھا اور ہزاروں تشنگان علوم آکر اپنی پیاسیں بجھاتے تھے یہی سلسلہ تعلیم و طریقۂ درس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ حیات تک قائم رکھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں نہایت وسیع پیمانہ پر تعلیم قرآن کا سلسلہ قائم کیا تمام ممالک مفتوحہ میں تعلیم قرآن کے لئے مکاتب قائم کئے اور بعض حالتوں میں ان کی جبری تعلیم کا انتظام کیا چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابوسفیان تھا خاص اسی کام پر مامور و مقرر کیا کہ بدوؤں کے قبائل میں دورہ کرکے ہر شخص کا امتحان لے اور جسکو قرآن مجید یاد نہ ہو اس کو سزا دے جب شام فتح ہوا تو حضرت فاروق اعظم نے وہاں کے مسلمانوں کی تعلیم کیلئے حضرت عبادہ بن صامتؓ کو منتخب کیا اور ان کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابودردار رضی اللہ عنہما کو بھی کر دیا حضرت عبادہ نے حمص میں قیام کیا حضرت ابودردار دمشق کو گئے اور حضرت معاذ نے فلسطین میں اقامت اختیار کی غرضکہ آپ قرآن مجید کی توسیع تعلیم و اشاعت کیلئے اور بھی مختلف ذرائع اختیار کئے مثلاً ضروری سورتوں یعنی بقرہ نسار مائدہ حج اور نور کی نسبت ایک عام حکم نافذ کیا کہ تمام مسلمانوں کو ان کا سیکھنا لازم ہوگا کیونکہ ان میں احکام و فرائض مذکور ہیں ان کے بعد اور خلفا نے بھی تعلیمی سلسلہ نہایت آب و تاب کے ساتھ قائم رکھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت ایک روایت ہے کہ انھوں نے طلبائے قرآن کے لئے دو ہزار وظیفے مقرر فرمائے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قرآنی شغف اور اس کی خدمت پر سب سے بڑھکر دلیل تدوین قرآن ہے کہ انھوں نے قرآن کو مدون کرکے مختلف

مقامات پر بھیجدئے تھے بعض صحابہ ذاتی طور پر قرآن کا درس دیدیتے تھے چنانچہ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈالکر قرآن وحدیث کی تعلیم دیتے تھے کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا ایک مستقل حلقہ درس قائم ہوگیا تھا صحابہ کرام جس طریقہ سے تعلیم قرآن پر شیفتہ وفدا تھے ویسے ہی تعلیم حدیث پر بھی فریفتہ وشیدا تھے چنانچہ مشکوٰۃ نبوت سے انوار معرفت کو حاصل کرنے کے لئے ہر شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت کا مشتاق رہتا تھا اور آپ کی صحبت بابرکت سے جدا ہونا بھی ناگوار سمجھتا تھا۔ کیونکہ وہ چاہتے نہ تھے کہ کوئی حدیث ان سے فوت ہو جائے یہاں تک کہ دور دور سے حضور کی خدمت میں محض حصول حدیث کی غرض سے لوگ آتے تھے اور گوہر مراد سے اپنے دامنوں کو بھر کر لیجاتے تھے حضرت عمرؓ عوالی مدینہ میں رہتے تھے جو مدینہ سے کسی قدر دور تھا اس لئے آپ کی خدمت میں روز حاضر ہونا ناممکن تھا تاہم یہ معمول کر لیا تھا کہ ایک روز خود آتے تھے اور دوسرے روز اپنے پڑوسی حضرت عتبان بن مالک کو بھیجتے تھے تاکہ خرمن نبوت کی خوشہ چینی سے کسی دن بھی محروم نہ ہونے پائیں بعض صحابہ کو حدیثوں کے حاصل کرنے کا اسقدر شوق تھا کہ ایک ایک بات کیلئے برسوں آپ کی خدمت میں قیام کرتے تھے جن لوگوں کو آپ کے فیض صحبت سے متمتع ہونے کا جس قدر موقع ملتا تھا اسی قدر ان کے پاس احادیث کا ذخیرہ جمع ہو جاتا تھا چنانچہ حضرت ابوہریرہ عبداللہ بن عباس حضرت عائشہ صدیقہ حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص۔ انس بن مالک ابوسعید خدری حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم یہ بزرگ ہستیاں ہیں جن کی روایتیں ہزاروں سے کم نہیں مثلاً صرف حضرت ابوہریرہ کی روایتوں کی تعداد ۵۳۷۴ ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس کی روایتوں کی تعداد ۱۶۶۰ ہے اسی طرح اور حضرات کی روایتوں کی تعداد ہے صحابہ کرام کا شوق حدیث صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت تک محدود نہ تھا بلکہ وہ اس روحانی خزانے کی تلاش میں طرح طرح کی مشقتیں برداشت کرکے کئی کئی کوس کا سفر بھی طے کرتے تھے۔
چنانچہ عبداللہ بن انیس جہنی مصر میں مقیم تھے وہ قصاص کے متعلق ایک حدیث کی روایت کرتے تھے جب حضرت جابرؓ کو معلوم ہوا تو بازار میں آکر ایک اونٹ خریدا اور اس پر کجاوہ کس کر مصر کو روانہ ہوئے۔ راستوں کی صعوبتیں جھیلتے ہوئے ایک مہینہ کی مسافت طے کرکے مصر پہنچے اور لوگوں سے پوچھتے ہوئے ان کے دروازے پر گئے اور ایک حبشی غلام کے ذریعہ سے ان کو اطلاع دی جب ان کو معلوم ہوا کہ وہ صحابی ہیں تو آکر لپٹ گئے اور دریافت کیا کہ آپ کیوں تشریف لائے ہیں بولے قصاص کے متعلق آپ جس حدیث کی روایت کرتے ہیں اب آپ کے سوا اس کا کوئی راوی نہیں ہے اس لئے میں نے چاہا کہ قبل اس کے کہ ہم دونوں میں سے کسی کو موت آئے میں آپ سے اس حدیث کو سن لوں۔
صحابہ کرام جس طریقہ سے حدیثوں کے سیکھنے میں عرق ریزی سے کام لیتے تھے ویسے ہی اس کے نشر و اشاعت میں کوشش صرف کرتے تھے چنانچہ اشاعت حدیث کی غرض سے تمام ممالک مفتوحہ میں پھیل گئے تھے اور لوگوں کو نہایت شوق کے ساتھ حدیث کا درس دیتے تھے حضرت ابوادریس کہتے ہیں کہ حمص کے مسجد میں گیا تو ایک حلقہ میں جس میں ۳۲ صحابی تھے بیٹھ گیا تو دیکھا کیا ہوں کہ جب ایک شخص روایت حدیث کر چکتا تو دوسرے صاحب اس سلسلہ کو شروع کرتے حضرت ابودرداءؓ دمشق میں رہتے تھے اور جب درس دینے کیلئے مسجد میں تشریف لاتے تھے تو ان کے طلبہ کا اسقدر

ہجوم ہوتا تھا کہ جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا تھا اُس وقت علم حدیث کا سب سے بڑا دارالعلوم مدینہ طیبہ تھا صحابہ کرام جب حدیث لوگوں کو تعلیم دیتے تھے توان کے پاس طالبان علم حدیث کی اس قدر بھیڑ ہوجاتی تھی کہ زمین پر بیٹھکر تعلیم دینی دشوار ہوجاتی تھی چنانچہ ایک صحابی جب حدیث بیان کرتے تھے توان کے گرد آدمیوں کا اسقدر ہجوم ہوجاتا تھا کہ ان کو کوٹھے پر چڑھکر حدیث بیان کرنی پڑتی تھی حضرت ابوسعیدؓ روایت حدیث کرتے تھے تو سامنے عاشقان حدیث کی دیوار کھڑی ہوجاتی تھی صحابہ رضوان اللہ علیہم میں بہت بڑے بڑے فقیہہ بھی موجود تھے مثلاً حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت علی حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عائشہ صدیقہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم یہ وہ بزرگ ہستیاں ہیں جو فقاہت کے اندر مشہور زمانہ تھیں علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ اگر ان بزرگوں کے فتاوے جمع کئے جائیں تو ہر ایک کے فتاوے سے ضخیم جلدیں تیار ہوسکتی ہیں چنانچہ ابوبکر محمد بن موسیٰ نے حضرت عبداللہ بن عباس کے فتادے کو بیس جلدوں میں جمع کیا ہے مگر ان بزرگوں کی فقاہت کی یہ صورت تھی کہ جب ان کو قرآن و حدیث سے کسی مسئلہ کا ثبوت صراحتہً نہ معلوم ہوتا تو اپنی رائے و قیاس سے فتویٰ دیدیتے اور ثبوت نہ ہونے کی دو ہی صورتیں تھیں ایک یہ کہ آنحضورؐ کا فرمان موجود تھا لیکن فتویٰ دینے کے وقت مفتی کو اس کا علم نہ ہوتا تھا دیگر ایسکہ صراحتہً موجود نہیں ہوتا تھا تو اول الذکر صورت میں اپنی رائے سے کام لیتے تھے اور دوسری صورت میں قیاس و استنباط کو کام میں لاتے مگر بایں ہمہ اس بات کے منتظر رہتے تھے اور تتبع و تلاش کرتے تھے کہ آنحضورؐ کا فرمان بھی دستیاب ہوجائے جو اس رائے و قیاس کی موافقت کرے اور اگر کوئی حدیث مطابق جو ان کے فتوے کی تائید کرتی ہو تو بے حد مسرور و خوش ہوتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے سامنے ایک مسئلہ پیش ہوا جس پر وہ غور و فکر کرتے رہے جب کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے ہدایت نہیں ملی تو خود اپنی رائے قائم کی لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی فیصلہ کیا تھا تو نہایت مسرور ہوئے صحابہ جہاں قرآن و حدیث کی تعلیم حاصل کرتے تھے وہاں ان کے اسرار و علل کو بھی حضورؐ صلعم سے دریافت کرتے تھے اگرچہ وہ زمانہ عقلی ترقی کا زمانہ نہیں تھا تاہم وہ اتنا جانتے تھے کہ شریعت کے احکام و اوامر مصالح و عقل پر مبنی ہیں اسی بناء پر جب ان کو بظاہر کوئی حکم خلاف عقل نظر آتا تو اس کے متعلق فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کرکے اپنی تسلی و تشفی کرلیتے جیساکہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ جب دو مسلمان باہم لڑتے ہیں تو قاتل و مقتول دونوں جہنمی ہوتے ہیں اس پر ایک صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ قاتل کا جہنمی ہونا تو ظاہر ہے لیکن مقتول کیوں جہنمی ہوگا تو ارشاد ہوا کہ وہ اپنے بھائی کے قتل کا آرزومند تھا صحابہ کے علاوہ صحابیات میں سب سے بڑھکر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسرار دین و رموز شریعت کی عقدہ کشائی فرمائی ہے کثیر مسائل کے علل و اسباب بیان کئے ہیں بہت سے صحابہ کرام علم الانساب (یعنی وہ علم جس کے ذریعہ سے خاندان اور قبائل کے نسبی تعلقات معلوم ہوتے ہیں) کے بھی بہت بڑے ماہر تھے عہد صحابہ کے بعد جب فتوحات کی غیر معمولی وسعت نے عرب و عجم میں اختلاط پیدا کردیا تو اس وقت اگرچہ اس فن کی اہمیت زائل ہوگئی تاہم چونکہ عرب کو اپنے حسب و نسب پر ہمیشہ فخر و غرور رہا اس لئے زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام دونوں میں یہ فن ضروری اور اہم خیال کیا جاتا تھا اور تمام صحابہ میں حضرت ابوبکرؓ اس علم کے سب سے بڑے ماہر سمجھے جاتے تھے یہی وجہ ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت کو کفار کی ہجو کرنے کا حکم دیا تو ان کو انساب کے متعلق حضرت ابوبکر کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی اور فرمایا ائت ابا بکر فانہ اعلم بانساب القوم منک۔ یعنی حضرت ابوبکر کے پاس جاؤ کیونکہ وہ انساب کے تم سے زیادہ عالم ہیں اس علم کے ماہر حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر تھے۔ انھوں نے اس علم کو اپنے باپ خطاب سے حاصل کیا تھا حضرت عائشہ صدیقہ بھی علم الانساب کی بہت بڑی عالمہ تھیں چنانچہ حضرت عروہ کا قول ہے ما رأیت احدا من الناس اعلم بحدیث العرب والنسب من عائشۃ یعنی میں نے کسی کو عرب کے واقعات اور علم نسب کا ماہر حضرت عائشہؓ سے زیادہ نہیں دیکھا علم تاریخ میں بھی صحابہ کرام کا ایک حد تک حصہ تھا اور تاریخ کا کافی ذخیرہ جمع کر لیا تھا اگرچہ اس وقت کسی کتاب کی صورت میں مدون نہیں ہوا تھا تاہم عام زبانی روایتوں نے اس کے ایک ایک حرف کو محفوظ کر رکھا تھا چنانچہ نماز فجر کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب معمول مصلی پر نشست فرماتے تھے تو صحابہ کرام اشعار پڑھتے اور زمانہ جاہلیت کے واقعات کا تذکرہ کرتے تھے اس مقدس صحبت کے علاوہ عموماً ان کی مجلسوں میں ان واقعات کا تذکرہ ہوتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو علم تاریخ میں کافی مہارت تھی خلفائے راشدین کے زمانہ تک یہ تمام تاریخی معلومات صرف سینوں میں محفوظ تھیں ابھی سفینوں میں منتقل نہ ہوئی تھیں لیکن حضرت معاویہؓ کے دور حکومت میں یہ کمی بھی پوری ہو گئی کیونکہ ان کو فن تاریخ سے نہایت ہی شغف تھا اسلئے معمولاً روزانہ رات کا تہائی حصہ تاریخی واقعات کے سننے میں بسر کرتے تھے پھر اٹھتے تو یہ سلسلہ دوبارہ شروع ہوتا تھا چنانچہ مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہے کہ امیر معاویہ عرب و عجم کے واقعات اور عجمی بادشاہوں کے حالات زندگی اور طریقہ حکمرانی اور ان کے طریقہ جنگ و طرز جہاں بانی اور دوسری گذشتہ قوموں کے حالات تہائی شب تک برابر سنتے تھے پھر اندر جا کر فرش استراحت پر آرام فرماتے پھر بیدار ہوتے تو ان کے پاس وہ کتابیں لائی جاتی تھیں جن میں بادشاہوں کے حالات و واقعات اور لڑائیوں کے تذکرے درج ہوتے تھے اس کو وہ لڑکے پڑھکر سناتے تھے جو اسی کام پر مامور تھے اس تاریخی سلسلہ میں حضرت معاویہ کو قبیلہ حمیر کے حالات کی خاص طور پر جستجو تھی چنانچہ عبید بن شریہ جو حمیر کے واقعات کے سب سے بڑے ماہر تھے ان کو حضرت معاویہ نے حمیر کے واقعات کو قلمبند کرنے کے لئے حکم کیا تو انھوں نے ان واقعات کو ایک کتاب کی صورت میں قلمبند کر دیا غالباً یہ پہلی تاریخی کتاب تھی جو اسلام میں لکھی گئی اس لحاظ سے اسلام میں فن تاریخ کی ابتدا صحابہ کرام کے عہد مبارک میں ہوئی شعر و شاعری سے بھی صحابہ کرام کو دلچسپی تھی اگرچہ وہ لوگ اکثر ملکی مہمات و مذہبی خدمات اور دیگر مشاغل میں مشغول رہتے تھے تاہم ان میں شعر و سخن کا مذاق پایا جاتا تھا اس لئے ان کو جب ان مشاغل سے فرصت ہوتی تھی تو خود اشعار پڑھتے تھے دوسروں سے پڑھوا کر سنتے تھے اور اس سے لطف اندوز ہوتے تھے ادب المفرد میں ہے کہ صحابہ کرام مردہ دل اور خشک مزاج نہ تھے بلکہ وہ اپنی مجلسوں میں اشعار پڑھتے تھے اور زمانہ جاہلیت کے واقعات کا تذکرہ کرتے تھے خلفاء راشدین میں حضرت عمرؓ اگرچہ ہمیشہ بڑی بڑی مہمات ملکی اور مشاغل حکومت میں مشغول رہتے تھے تاہم جب موقع ملتا تھا تو نہایت شوق سے شعراء کے اشعار سنتے تھے اور ان سے لطف اٹھاتے تھے اور اچھا شعر سنتے تھے تو بار بار مزے لیکر پڑھتے تھے

حضرت ابوبکرؓ اگرچہ زہد مجسم تھے تاہم شعر وسخن کے بڑے اداشناس تھے ایسے ہی حضرت عثمان وحضرت علی رضی اللہ عنہما کو بھی شعر وسخن سے بہت ہی دلچسپی تھی چنانچہ یہ دونوں حضرات شعر بھی کہتے تھے غرضکہ صحابہ کرام گو شعر وسخن کا ذوق رکھتے تھے لیکن تمام صحابہ میں شاعرانہ حیثیت سے چار بزرگ یعنی حضرت حسان بن ثابت کعب بن مالک عبداللہ بن رواحہ کعب بن زہیر خصوصیت کے ساتھ ممتاز ہیں ابوعبیدہ کا قول ہے کہ شہری باشندوں میں اہل عرب کے نزدیک سب سے بڑے شاعر یثرب کے لوگ تھے اس کے بعد قبیلہ عبدالقیس پھر قبیلہ ثقیف کے لوگ بڑے شاعر تسلیم کئے جاتے تھے لیکن ان سب میں حضرت حسان بن ثابت سب سے بڑے شاعر تھے زمانہ اسلام میں وہ خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر تھے اور یہ انکا سب سے بڑا امتیازی وصف خیال کیا جاتا تھا۔ صحابہ کرام کو اگرچہ شاعری سے ذوق تھا لیکن شاعری سے ان تمام عیوب کو مٹا دیئے تھے جو بداخلاقی وبے حیائی کیطرف رہنمائی کرتے تھے مثلاً عہد صحابہ کے قبل تک تمام شعراء عرب میں یہ طریقہ جاری تھا کہ علانیہ شریف عورتوں کا نام اشعار میں لاتے تھے اور ان سے اپنا عشق جتاتے تھے لیکن حضرت عمرؓ نے ان اخلاق سوز طریقوں کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا اور اس کی سخت سزا مقرر کی اسی طرح ہجو گوئی کو بھی جرم قرار دیا الغرض صحابہ کرام کے زمانہ میں شاعر جو اشعار کہتے تھے وہ نہایت ہی پاکیزہ اور اخلاق آموز۔ ۔ ۔ ہوا کرتے تھے صحابہ کرام کو فن خطابت میں بھی کافی مہارت حاصل تھی کیونکہ عرب ہمیشہ میدان فصاحت وبلاغت میں تمام قوموں سے آگے تھا لیکن زمانہ جاہلیت میں جو زور شعر وشاعری کو حاصل تھا وہ اقتدار زمانۂ اسلام میں تقریر وخطابت کو حاصل ہوا اسلئے کہ سیاسی واقعات اور غزوات وفتوحات نے عرب کی پرجوش طبیعتوں کے لئے بہت سے نئے میدان کھولدیئے جس میں صحابہ کرام کو زبان آوری کے جوہر دکھانے کا موقع ملا اور صحابہ کرام کی حقیقی زندگی کے پہلے ہی دن سے اس کے کامیاب نتائج ظاہر ہونے لگے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد شیدایان نبی وپروانہ شمع رسالت کی جو اضطرابی حالت ہوگئی تھی اس کے مٹانے کے لئے حضرت ابوبکرؓ نے ایسا روح پرور بصیرت افروز خطبہ دیا جس سے صحابہ کرام کی والہانہ حالت دفعتہً اطمینان وسکون سے بدل گئی آپ نے فرمایا الا من کان یعبد محمدًا فان محمدًا قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حیّ لا یموت ۔ ہاں جو لوگ پرستاران محمدؐ تھے ان کو معلوم ہوجانا چاہیئے کہ محمدؐ (صلعم) وفات پاچکے لیکن جو لوگ پرستاران خدا ہیں ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ خدا زندہ ہے اورنہیں پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ انک میت وانھم میتون ۔ اور فرمایا وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم الآیہ یعنی خدا تعالیٰ اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے تو مریگا اور تمام لوگ مرینگے محمد تو ایک پیغمبر ہیں جس طریقہ سے ان کے قبل کے رسول گذر چکے ہیں ویسے ہی یہ بھی اس دنیا سے گذر جائیں گے کیا اگر وہ مرگئے یا شہید ہوگئے تو تم لوگ اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جاؤ گے۔ ان چند فقروں کا یہ اثر ہوا کہ روتے روتے لوگوں کی ہچکیاں بندھ گئیں اور نکلے تو اس آیت کو پڑھتے ہوئے نکلے اسی قسم کے اور بھی خطبے ہیں جو بحر فصاحت وبلاغت میں ڈوبے ہوئے ہیں لیکن تطویل کے خوف سے نظرانداز کرتا ہوں ایسے ہی حضرت عمرؓ نے فرائض خلافت اور فتوحات کی وسعت کی وجہ سے سیاسی معاملات کے